اُردو سفرناموں میں ترکی تاریخ و تہذیب کی عکاسی

جمیلہ گل [1]، ڈاکٹر محمد امتیاز **

Abstract:

"A Travelogue is not only a tale of the sights of a country but is also an index of its culture, history, civilization, norms, arts, knowledge and deeds. It was Mulana Shibli Numani who wrote the first travelogue about Turkey in Urdu and then this tradition continued. According to a diligent survey, the number of travelogues about Turkey in Urdu is around 50. This is not an ordinary thing about any language to have a collection of 50 travelogues about any country. These travelogues about Turkey are not only a sort of report writing but they also contain personal views of the concerned authors. This short article is an attepmt to analys representation of history and culture of Turkey in Urdu travelogues."

<u>ملخص</u>

سفرنامہ نہ صرف کسی ملک کے مناظر کی داستان ہوتی ہے بلکہ اُس ملک کی تہذیبی، تاریخی اور وہاں کے عوام کے رہن سہن، ثقافت، علوم و فنون اور کارناموں کی ترجمابن بھی ہوتی ہے۔ ترکی سے متعلق اُردو میں سب سے پہلے مولانا شبلی نعمانی نے سفرنامہ لکھا اور اِس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اُردو میں ترکی سے متعلق سفرناموں کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ کسی زبان میں ایک ملک سے متعلق پچاس سفرنامے کچھ معمولی بات نہیں۔ ترکی سے متعلق یہ سفرنامے صرف وقائع نگاری ہی نہیں بلکہ ان سفرناموں میں سفرنامہ نگاروں کے ذاتی تاثرات بھی ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں اُردو سفرناموں میں ترک قوم کی تاریخی و تہذیبی زندگی کا ایک اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

<u>کلیدی الفاظ</u>: سفرنامہ، تخلیقی ادب،، تاریخ، تہذیب، ترکی، ترک قوم، مشاہیر، تاریخی مقامات، پاکستان، اخوّت، عثمانی سلطنت۔

سفر زندگی کا معمول ہے۔ انسان نے غاروں اور جنگلوں سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ لیکن آہستہ آہستہ غاروں سے نکل کر حصول رزق کی تلاش میں سفر پر نکلا اور آج کروڑوں انسان ہر وقت دنیا کے مختلف گوشوں میں آب ودانہ کی تلاش اور سیر و سیاحت کے لیے سرگرداں نظر آتے ہیں سفر کا مقصد نئی دنیاؤں اور نئے لوگوں کی دریافت ہے۔ اس کے علاوہ انسان کبھی تلاش معاش، کبھی تفریح، کبھی نئی جگہوں کی دریافت اور کبھی مذہبی مقامات کی زیارت کی خاطر سفر کرتا ہے۔

دورانِ سفر انسان تکالیف اور مشکلات کا سامنا بھی کرتا ہے۔ تا ہم جدید دور میں مواصلات کے ذرائع بڑھ گئے ہیں۔ سفر کرنا اب آسان ہو گیا ہے بلکہ ان ذرائع نے تو انسانی سفر کو بڑی حد تک خوشگوار بنا دیا ہے۔ سیکڑوں میلوں کے فاصلے اب گھنٹوں میں طے ہو رہے ہیں۔ غرض سفر اذیت ہو کہ فرحت بخش،انسان اپنے سفر کی روداد نہ صرف دوسروں کو سُنانا پسند کرتا ہے بلکہ بعض تو اپنے سفری حالات اور دوران سفر جو کچھ دیکھ لیتے ہیں یا جن مقامات کو دیکھا ہو وہاں کے بارے میں خامہ فرسائی بھی کر لیتے ہیں۔ انسان کی اسی رودادِ سفر کی تحریر کی خواہش نے ”سفرنامہ“ کی صنف کو جنم دیا۔

---

[1] پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر (اُردو)، شعبۂاُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈا نفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈا نفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

سفرنامہ تخیلاتی تخلیقی ادب نہیں بلکہ اس کے لکھنے کے لیے بنیادی شرط سفر ہے۔ جب تک سفر نہ کیا جائے اجنبی ماحول نہ دیکھا جائے، مختلف قسم کے حالات و واقعات نہ دیکھے جائیں، اپنے ماحول اور اجنبی ماحول میں فرق محسوس نہ کیا جائے، تو سفرنامہ وجود میں نہیں آتا۔معروف محقق اور نقاد انور سدید اس حوالے سے کہتے ہیں:

"سفرنامہ، سفر کے تاثرات، حالات اور کوائف پر مشتمل ہوتا ہے۔ فنی طور پر سفرنامہ وہ بیانیہ ہے جو سفرنامہ نگار سفر کے دوران یا اختتام سفر پر اپنے مشاہدات، کیفیات اور اکثر اوقات قلبی واردات سے مرتب کرتا ہے۔"(۱)

لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ سفرنامہ اندورنِ ذات سے خارجی ماحول کا سفر ہے جس میں سفرنامہ نگار کی آنکھ اور تخیل سے کسی علاقے یا ملک کے بار ے میں قار ئین بیش بہا معلومات حاصل کرتے ہیں۔

اب سفرنامہ باقاعدہ ایک صنف ادب ہے۔ دورِ حاضر میں ناول، افسانہ اور ڈراما کے بعد سفرنامہ کو مقبولیت حاصل ہے۔ یہ سفرنامہ نگار کے تجربات اور مشاہدات پر مشتمل ہوتا ہے۔ سفرنامہ نگار کی قوت مشاہدہ جتنی عمیق ہو گی اُتنا ہی سفرنامہ دلچسپ ہو گا۔ سفر کی کیفیات کا بے تکلف اظہار وہی کر سکتا ہے جو معلومات کی وسعت اور قوتِ مشاہدہ کی فراوانی کے ساتھ ساتھ انھیں قلم بند کرنے کی صلا حیت سے بھی بہرہ ور ہو اور اس میں اس قدر اہلیت اور قابلیت موجود ہو کہ جن دلچسپ اور پُرکشش مقامات اور واقعات سے اسے سابقہ پڑے، ان پر کامل غور و فکر کے بعداپنے تاثرات و نتائج کو دل نشیں الفاظ کا جامہ پہنا سکے۔

ابتدائی دور میں سفر نامہ جغرافیائی معلومات کی فراہمی تک محدو د تھا۔ اس میں مسافر کو دورانِ سفر جن شہروں اور ملکوں سے واسطہ پڑتا، وہ سفرنامہ میں ان کا جغرافیہ اور محل و قوع تفصیل کے ساتھ تحریر کرتا۔ لیکن اب سفرنامہ اپنی علمی، ادبی اور تاریخی افادیت کو اس حد تک منوا چکا ہے کہ اس موضوع کو فنِ تحقیق و تنقید میں خصوصی اہمیت حا صل ہو گئی ہے۔تاریخی تالیف و تصنیف کے لیے اکثر متعدد کتابوں اور اشخاص کا مرہونِ منت ہونا پڑتا ہے۔ اب جب سفرنامے نے علمی و ادبی حیثیت حاصل کر لی ہے تو صحیح اور درست حالات معلوم کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہاتھ آگیا ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں اُردو سفرناموں میں ترکوں کی تاریخی اور تہذیبی زندگی کا مطالعہ مقصود ہے تاہم اس بات میں شُبہ نہیں کہ پاکستان اور ترکی کی تاریخ، ثقافت،سیاست اور ادب میں بہت سی چیزیں مشترک ہونے کے باوجود ہم ایک دوسرے کی تاریخ، ثقافت، سیاست اور ادب سے بڑی حد تک اجنبی رہے ہیں جس کا بنیادی سبب:

زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم
چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دھانِ من

پاکستان اور ترکی دونوں اسلامی برادر ممالک اسلام کے مضبوط رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ پاکستان سے ترکی جانے والے اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ ترکوں میں پاکستان اور پاکستانی بھائیوں سے کس قدر محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں ؟ یہاں تک کہ بعض حضرات کے خیال میں دنیا بھر میں پاکستان اور اہلِ پاکستان سے سب سے زیادہ محبت اور اخوّت کے جذبات ترکی ہی میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم ایک دوسرے کی تاریخ، سیاست اور ثقافت سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ دونوں ممالک میں زبان کی دوری اور اجنبیت ہے۔(۲) اس حوالے سے ہمارے پاس اُردو میں ترکی سے متعلق وہ سفرنامے ہیں جن کے توسط سے ہم ترکی کے بارے میں معلومات اخذ کر سکتے ہیں۔ یہ سفرنامے کیا ہیں ترکی تاریخ، ثقافت، سیاست اور شخصیات اور دیگر کئی موضوعات پر معلومات کا خزینہ ہیں۔

ترکی سے متعلق سفرناموں کو ہم دو حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو ترکی میں انقلاب سے پہلے تحریر کیے گئے ہیں یعنی خلافت عثمانیہ کے دور میں۔ ان سفرناموں خلافتِ عثمانیہ

کے وقتوں کے حالات اور طرزِ معاشرت ملے گی۔ دوم وہ جو انقلا ب(گیلی پولی کی جنگ سے جدید جمہوریہ ترکیہ کے قیام تک) کے بعد تحریر ہو ئے ہیں۔ ان میں جدید ترکی کی تاریخ اور معاشرتی حالات ملیں گے۔ ہر دو حوالوں سے ان سفرناموں کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ماضی میں سفر معلومات حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ سفرنامہ انفرادی او ر افرادی کارنامہ ہے جو نہ صرف کسی ملک کے مناظر کی داستان ہوتی ہے بلکہ اُ س ملک کی تہذیبی،تاریخی اور وہاں کے عوام کے رہن سہن، ثقافت، علوم و فنون اور کارناموں کی ترجمان بھی ہوتی ہے۔کسی ملک کی طرزِ زندگی اور وہاں کی تہذیب و تمدّن کو جاننے کے لیے سفرنامہ ایک اہم ماخذ ہے۔ سفرنامہ میں آنکھ محض سامنے پیش آنے والے واقعات کو دیکھتی اور اُن کا جوں کا توں بیان نہیں کرتی۔ اگر ایسا ہوتا توپھر سفرنامے قدیم یا جدید زمانے کے معتبر اور مستند حوالے نہ بنتے۔ سفرنامہ منظر بھی بیان کرتا ہے اور پس منظر بھی۔

ترکی سے متعلق اُردو میں سب سے پہلے شبلی نعمانی نے سفرنامہ لکھا اور اس کے بعدیہ سلسلہ چل نکلا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک اُردو میں ترکی سے متعلق سفرناموں کی تعدادپچاس ہے۔ کسی زبان میں ایک ملک سے متعلق پچاس سفرنامے کچھ معمولی بات نہیں۔ ان سفرناموں میں ترکی آب و تا ب سے موجود ہے۔

سفرنامہ نگاروں نے ترکی کے یہ اسفار اپنے ذاتی مقاصد و ضروریات کے علاوہ علمی، سیاحتی، سیاسی، معاشی، ثقافتی، کھیل وغیرہ کے بنیادوں پر کیے ہیں۔ اُنھوں نے وہاں پر جو کچھ دیکھا،جو کچھ اُن کے مشاہدے میں رہا اور جو تجربہ ہوا، اُسے لفظوں کا جامہ پہنایا۔ ترکی سے متعلق یہ احوال صرف وقائع نگاری ہی نہیں بلکہ ان میں سفرنامہ نگار کے اپنے ذاتی تاثرات بھی شامل ہیں جس سے ان سفرناموں میں تجسس اور دلچسپی کا عنصر بھی پید ا ہوا۔

اُردو میں ترکی کے یہ سفرنامے ترکی اور اس کے شہروں، گلی کوچوں، بازاروں، دیہاتوں اور دریاؤں، سمندروں اورپہاڑوں کے جیتے جاگتے مرقع اور متحرک تصویریں پیش کرتی ہیں۔

مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک نے جدید ترکی کا قیام عمل میں لا کر جمہوریہ ترکیہ کی بنیاد رکھی اور ترکی کو ایک جدید جمہوری اور آئینی ریاست کے سفر پر ڈال دیا۔ آج ایک صدی کے سفر کے بعد ترکی انھی بنیادوں پر آگے بڑھنے میں کامیاب ہوا ہے، جو بنیادیں ترک قوم نے مصطفی کمال پاشا اتاترک کی قیادت میں رکھیں۔ اس ایک صد ی میں ترکی کا انقلاب ہر روز آگے بڑھا اور ہمیں مسلم دنیا میں ترکی کے علاوہ کسی ایسی مسلم ریاست کی مثال نہیں ملتی، جس نے ترکی کی طرح،معاشی، سیاسی، سماجی، جمہوری، علمی، فکری، سائنس و ٹیکنالوجی اور تہذیب کے سفر کی منازل طے کی ہوں۔ اس تحریر کی اہمیت پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے عوام کے لیے سب سے زیادہ اہم ہے، جن کی آزادی کا سفر سات دہائیاں پوری کرچکا، لیکن ابھی تک بحرانوں کی شکار مملکت و قوم کسی کامیاب سنگِ میل یا منزل کو دیکھنے کی منتظر ہے۔ اس حوالے سے فرخ سہیل گوئندی لکھتے ہیں:

> ’’ قومیں کیسے اپنی کامیابی کا سفر کرتی ہیں، اس کا بہترین سبق جمہوریہ ترکیہ کے قیام سے ہی لیا جا سکتا ہے۔ترکی نے صر ف معاشی اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان ہی میں ترقی نہیں کی ہے بلکہ ایک فلاحی ریاست بننے کا سفر بھی جاری ہے۔‘‘[۳]

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد بر صغیر پا ک و ہند کے مسلمان، ترکی کو ہمیشہ نہایت اُنسیت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔ یہ احساس اب تک برقرار ہے، باوجود یہ کہ ترکوں کے متعلق مختلف النوع شکوک و شبہات کا اظہار وقتاً فوقتاً ہو تا رہا ہے۔ لیکن یہ احساس عوام کے لیے بیشتر جذبات پر مبنی ہے اور وہ ترکی اور ترکوں کے متعلق صحیح و اقعات سے آگاہ نہیں۔[۴]

پاکستان اور ترکی کے درمیان اخوّت اور بھائی چارے کا رشتہ شروع ہی سے قائم ہے۔ اس رشتے میں آئے دن مضبوطی اور گہرائی پیدا ہو رہی ہے۔ دونوں ممالک کے عوام ایک دوسرے کی حددرجہ عزت اور اختـرام کرتے ہیں۔ اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ رکھتے ہیں۔

سفرنامہ نگاروں نے اپنے سفر کے دوران ترکوں کے اندر پاکستان اور پاکستانی عوام کے لیے جن جذبات کا اظہار دیکھا ہے اور اپنے سفرناموں میں بیان کیا ہے۔ ایسے عناصر اُردو میں ترکی سے متعلق سفرناموں میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ترکی کی تہذیبی و تمدّنی زندگی کا مطالعہ اُردو میں ترکی سے متعلق سفرناموں کے تناظر میں دلچسپی سے خالی نہیں۔ ترکی کے بڑے اور مشہور شہروں (استنبول} قسطنطنیہ{، انقرہ، قونیا، قصریہ، ارزورم، بورسہ وغیرہ) میں موجود تہذیبی ورثہ، پُرشکوہ گنبد، پُر عظمت مینار، شاندار مساجد، تاریخی و شاہی محلات، تاریخی باغات، پُرانے بازار، علم و فن کے ادارے، مدرسے، درسگاہیں، مقدس مقامات، مزارات، عجائب گھر، تفر یح گاہیں اور اسی قسم کے دیگر مقامات وغیرہ۔ جس سے ایک خاص دور کی تاریخ اور تہذیبی زندگی کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جن شہروں کے پُرانے نام تھے اور اب بدل کر نئے نام رکھ دیئے گئے ہیں، جیسا کہ قسطنطنیہ بدل کر استنبول ہوا، کا ذکر عموماً سفرناموں میں ملتا ہے۔

ترکی کے مشہور اور جانے پہچانے شہروں کے علاوہ چھوٹے شہروں اور قصبات کا ذکر بھی ان سفرناموں کا جزو ہے۔ مثلاً ترکی کا ایک چھوٹا شہر ''ادرنہ'' کو لیجیے جو یونان اور بلغاریہ کے سرحد پر واقع ہے۔ اس کی تاریخی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔اس شہر کو ۱۳۶۰ء میں عثمانی سلطان مراد اوّل نے فتح کیا اور بعد ازاں دار الحکومت قرار دیا۔ یہ۱۳۶۵ء سے ۱۴۵۳ء میں فتح قسطنطنیہ تک عثمانی سلطنت کا دار الخلافہ رہا۔[۵] پہلی جنگِ عظیم میں جب دشمن کی قومیں اس شہر میں داخل ہوئیں تو اقبال نے اس شہر سے متعلق ''محاصرۂ ادَرنہ'' کے عنوان سے ایک مختصر سی نظم کہی۔یہ نظم آٹھ اشعار پر مشتمل ہے، بطورنمونہ تین اشعار ملاحظہ کیجیے:

یورپ میں جس گھڑی حق و باطل کی چھڑ گئی
حق خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا
گردِ صلیب ، گِردِ قمر حلقہ زن ہوئی
شُکری حصارِ دَرنہ میں محصور ہو گیا
آ کر امیرِ عسکرِ تُرکی کے حکم سے
'آئینِ جنگ ، شہر کا دستور ہو گیا[۶]

یوں اقبال نے بھی ترکوں کو اپنے شاعری سے گرمائے رکھا، اور اسی شہر سے ترکوں نے اپنے دشمنوں کو پسپا کر دیا۔

ادرنہ، میں یونانی طر ز کی عمارتیں بھی موجود ہیں جبکہ عثمانی دور اور طرزِ تعمیر کے نمونے بھی۔ چونکہ یہاں پر بڑی تعداد میں یونانی آباد تھے جو جنگِ آزادی کے بعد تبادلے کے معاہدے کے تحت یونان چلے گئے۔ اس لیے عثمانی اور یونانی فنِ تعمیر جا بجا باہم دکھائی دے رہے ہیں۔ اس حوالے سے فرح سہیل گوئندی لکھتے ہیں:

''عثمانی اور یونانی طرزِ تعمیر کے مابین ایک واضح فرق چونکا دینے وا لا ہے۔ عثمانی طرزِ تعمیر والی عمارت میں چھجہ لازمی ہے۔ جبکہ یونانی طرزِ تعمیر میں چھجہ نہیں ہوتا۔ طرزِ تعمیر عثمانی ہو، جدید،یونانی یاآرمینی، جھروکا جا بجا ملے گا۔''[۷]

عثمانی طرزِ تعمیر کے شاندار نمونے جو اب تک ادَرنہ کے حُسن کا باعث ہیں اور سیاحوں کے لیے دلچسپی کا سامان مہیا کرتے ہیں اِ ن میں سب سے قابلِ ذکر مسجد سلیمیہ ہے۔ یہ مسجد عثمانی سلطان سلیم دوم کے حکم پر تعمیر کی گئی اور اِ سے مشہور معمار سنان پا شا نے ۱۵۶۸ء سے ۱۵۷۴ء کے درمیان تعمیر کیا۔ اسے سنان پاشا کے فن کا عظیم ترین شاہکار اور اسلامی طرزِ تعمیر کا شاندار نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ اس مسجد کے مینار ترکی کے بلند ترین مینار ہیں جن کی بلندی ۷۰.۹ میٹر ہے۔ یہ جامع مسجد ایک کلیہ (مسجد کے گرد شفا خانہ، مدرسہ، کتب خانہ اور حمام) کے مرکز میں قائم ہے جو ایک مدرسہ، دارالحدیث اور ایک آراستہ دوکانوں کی قطار کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ایک تاریخی شفاخانہ

بھی واقع ہے جسے اب عجائب گھر بنا دیا گیا ہے۔ سنان نے مسجد کا طرزِ تعمیر ایسا رکھا کہ مسجد کے ہر کونے سے محراب صاف دکھائی دے۔ اس مسجد میں روایتی عثمانی طرزِ کے چار مینار بھی شامل ہیں۔ مدرسہ، حمام، لنگرخانہ، بازار، شفاخانہ کے علاوہ ایک قبرستان بھی قائم کیا گیا تھا۔۱۹۱۵ء میں بلغاریہ کی جانب سے ادَرنہ کے محاصرے کے موقع پر مسجد کا گنبد بلغاری توپ خانے کی زد میں آگیا لیکن مضبوط تعمیر کے سبب صرف اس کی بیرونی تہہ کو ہی نقصان پہنچا۔[۸]

سنان پاشاجسے ترک مشاہیر میں شمار کیا جاتا ہے عثمانی دور کے ایک اچھے ماہرِ تعمیرات تھے۔ سنان پاشا اور مسجد سلیمیہ کے حوالے سے ڈاکٹر نثار احمد اسرار لکھتے ہیں:

''سنان نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور ضعیفی کی حالت میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے شاہکار، مسجد سلیمیہ کی تکمیل کی۔۔ بعض اطالوی سیاحوں نے مسجد سلیمانیہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ عمار ت ہمارے ہاں ہوتی تو ہم اسے شیشے کے کیس میں رکھ کر دیکھا کرتے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ وہ مسجد سلیمیہ کو دیکھتے تو کیا کہتے۔''[۹]

اسی طرح ترکی کا ایک اور تاریخی شہر طرسوس یا ترسوس ہے۔ یہ ترکی کے صوبہ مرسین کا ایک چھوٹا سا رہائشی علاقہ ہے۔ اس علاقے کی اپنی ایک شاندار تاریخ ہے۔ اس لیے وہ سفرنامہ نگار جن کو تاریخ سے خاص دلچسپی ہے اُنھوں نے اس شہر کا ذکر اپنے سفرناموں میں کیا ہے۔ یہ ترکی میں سب سے بڑی سطح مرتفع ہے۔ اناطولیہ کی سرزمین یہاں بحیرۂ روم کو چھوتی ہے۔ مرسین جدید اور ترسوس تاریخ میں اہم ترین سمندری بندرگا ہیں رہی ہیں۔ اس لیے پچھلے آٹھ ہزار سال سے انسان یہاں بستے ہیں اور حتی، مصری، بازنطینی، عرب، یونانی، رومی اور ایرانی تہذیبیں اس خطے کے حصول کے لیے سرگرم عمل رہیں۔ وادیوں میں تہذیبوں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اس خطے کا ذکر بائبل سمیت لاتعداد قدیم مخطوطات میں بھی ملتا ہے۔ ترسوس شہر کی سب سے بڑی شناخت اس کا صدیوں پُرانا واحد دروازہ ہے جو پتھر کی چٹانوں سے کاٹی گئی بڑی بڑی سلیبوں سے بنا ہے۔یہ قلوپطرہ گیٹ کہلاتا ہے۔ یہ واحد گیٹ تھا ،جو بچ گیا ہے۔ آج اس کے سامنے ترکی کا سرخ پرچم اور دوسری طرف اتاترک کا مجسمہ نصب ہے۔[۱۰]

ترسوس شہر انسانی تاریخ کے بہت سے حوالوں کے لیے مشہور ہے۔ اِسی سرزمین پر سینٹ پال پید اہوا۔ اس حوالے سے حکیم محمد سعید لکھتے ہیں:

''طرسوس ہی وہ جگہ ہے کہ جہاں سینٹ پال کو وجود حاصل ہوا۔۔پھر وہ یہاں کنواں بھی محفو ظ ہے جہاں دشمنوں سے سینٹ پال نے خود کو چھپا لیا تھا۔''[۱۱]

سینٹ پال اور طرسوس کے متعلق اسی قسم کی معلومات فرخ سہیل گوئند ی نے بھی فراہم کی ہیں۔ لکھتے ہیں:

''اسی شہر میں حضر ت عیٰسیؑ کا ایک حواری سینٹ پال پیدا ہوا۔۔ سینٹ پال نے مسیحیت کو اناطولیہ اور شام سے لے کر یونان اور یورپ تک متعارف کروایا۔ ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہونے والا مسیحیت کا سب سے بڑا مبلغ۔۔ سینٹ پال کا تعمیر کردہ پہلا چرچ تاریخی داستانوں کے ساتھ حال میں کھڑا تھا، اور مسیحی لوگوں کی زندہ عباد ت گاہ۔''[۱۲]

طرسوس شہر آج بھی قدیم ترین کھنڈرات پر مشتمل ہے۔ بڑے بڑے تاریخی آثار ابھی بھی اسی بستی میں مدفون ہیں۔ قدیم ترین گرجا گھر جس کو بعد میں مسجد میں تبدیل کر دیا گیا اب بھی موجو دہیں۔ فرخ سہیل کے مطابق:

''یہ گرجا گھر ۳۰۰ عیسوی میں تعمیر ہوا۔ ۱۳۵۵ء رمضان اولو شہبتین احمت نے اس گرجا گھر میں مینار کی تعمیر سے توسیع کرکے مسجد میں بدل دیا۔''[۱۳]

گرجا سے مسجد بننے کا ذکر حکیم محمد سعید نے اس انداز سے کیا ہے:

''میں اس مسجد کی طرف دوڑا کہ جہاں سے آواز اذان بلند ہوئی تھی۔ دوسری مسجد کے بارے میں بتایا گیا کہ درحقیقت یہ گرجا تھی، مسلمانوں نے مینار کھڑا کر کے اسے مسجد میں تبدیل کر لیا ہے۔ اس مسجد میں میرا نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہا۔''[۱۴]

مورّخ تنہا کسی تاریخی واقعے، مقام یا علاقے کے بارے میں معلومات جمع کر کے قلم بند کرتاہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ سہو ہوجائے یا اُس کی کا روائی معتبر نہ ہو۔ یاکسی قسم کی معلومات کے بارے میں اُسے غلط معلومات فراہم کردی گئی ہوں اور وہ اُنھیں ضبطِ تحریر میں لائے۔ اس لیے کسی ایک مورّخ کی تاریخ بڑی حد تک مستند ہو بھی نہیں سکتی۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ مورّخ نے تصویر کا ایک رُخ دکھا یا ہو یا جانبداری سے کام لیا ہو۔ اس بابت سفرناموں کی تاریخی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کسی ایک واقعے یا علاقے کے بارے میں مختلف سفرنامہ نگاروں کے بیانات کا تجزیہ قاری کو خود ایک واضح اور مستند تاریخ تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر مختلف وقتوں کے سفرنامہ نگاروں کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے اور ان کے سفرناموں کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سی باتیں خود بخود درجۂ استناد تک پہنچ جاتی ہیں۔ مثلاً مولاناشبلی نعمانی ترکی کے تاریخی اور قدیم شہر ازمیر کے متعلق کہتے ہیں:

”قدامت اور تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی ایک یادگار مقام ہے۔ ہومر جو یونان کا مشہور شاعر گزرا ہے-- اس کی قبر یہیں ہے۔ سات مقدس گرجے جن کا ذکر انجیل کے سفر رویا میں ہے۔ ان میں سے ایک اسی شہر میں تھا۔“(۱۵)

ازمیر ہزاروں برس کا قدیم شہر ہے۔ یہ مشہور ترین تجارتی شہر صوبہ آبدین کے والی کا صدر مقام ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں اس شہر کا نام یزمیر لکھا ہے۔ تقریباً ۲۰۲ء میں اس شہر کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں ملتاہے۔ اس شہر پر پررومی، یونانی، بازنطینی، سجلوقی اور عیسائی مختلف ادوار میں قابض رہے۔ یہ شہر دلی کی طرح کئی بار برباد اور کئی بار آباد ہوا۔ زلزلوں، آتش زدگی اور بحری قذاقوں کی لوٹ مار نے آثارِ قدیمہ کو بہت نقصان پہنچایا۔ ازمیر چونکہ تجارتی شہرتھا، اس لیے یہاں تجارتی قافلوں کے لیے بڑی بڑی کاروان سرائیں تھیں۔ جن میں سے درویش اوغلوخان، سرائے مدمہ خان۔ اور قرۃ عثمان زادہ خان سرائے اب بھی موجود ہیں۔ ان کو اب فرخانہ کہتے ہیں۔(۱۶)

ترکوں کی ثقافتی زندگی کے رسم رواج، عقائد و نظریات اور خوش اعتقادی اور ضغیف اعتقادی جیسے عناصر بھی کافی و شافی حد تک ان سفرناموں میں ملتے ہیں۔ سفرنامہ نگاروں نے اپنے سفرناموں میں ترکوں کے جن تہذیبی و ثقافتی عناصر کا ذکر کیا ہے۔ اُ ن میں ترکوں کے رسم ورواج، شاد ی بیاہ کی رسمیں، غمی کی رسمیں، لباس، زبان، پردہ، تفریحات، کھیل کود، کھانے، تہوار، مذہبی رسومات، علاقائی رسومات، ادب، موسیقی، وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکرہیں۔ چند ایک سفرناموں کے اقتباسات بطور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ بخوبی واضح ہو سکے۔، ملاحظہ کیجیے:

”زیادہ تر خواتین نے فراک نما عبائیں پہن رکھے تھے اور سرو ں پر پھولدار سلکی سکارف تھے۔“(۱۷)

اسی سے ملتے جُلتے خیالات کا اظہار حسنین نازش نےبھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”قونیہ مجھے ترکی کا مذہبی اور مسلمان ترین شہر نظر آیا۔ زیادہ تر خواتین حجاب اور سکارف اوڑھے ہوئے تھیں اور بقیہ جسم ایک لمبے کو ٹ سے ڈھانپا ہوا تھا۔“(۱۸)

ترک عموماً بڑے سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ وہ قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ زیادہ نمائش سے کام نہیں لیتے۔ ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہم پرستی خاصی ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ترک بھی یہ مان لیتے ہیں کہ چودھویں کے چاند میں لوگ پاگل ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک سیاہی مائل منکا نومولود کو نظر بد سے بچا لیتا ہے--اسی طرح اگر کسی گاؤں میں جانا ہوا، اور وہاں پر روایتی ضیافت کا کوئی انتظام ہو، مثلاً ختنے وغیرہ کی۔ تو پلاؤ زردے سے مہمانوں کی ضیافت کی جاتی ہے۔ اسی طرح اناطولیہ میں شادی کی تقریب کو پلاؤ زردہ کہتے ہیں۔ پلاؤ زردہ ایک اہم ترکی کھانا ہے۔ شادی کے موقع پر چاولوں میں زعفران اورچینی ڈال کر پکاتے ہیں۔ اسی وجہ سے شادی کی تقریب کو ”پلاؤ زردہ“ کے نام سے یا د کیا جا تاہے۔ شادی کی ایسی پُروقار تقریب صرف دولت مند دیہاتی ہی مناتے ہیں اور یہ کئی روز تک جاری رہتی ہے۔ اس موقع پر یورپی لبا س نہیں پہنا جاتا بلکہ قدیم پوشاک زیبِ تن

کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ درجے کا زرتار لباس، پُرانی وضع کی شلوار، سر پر ریشمی پوشش اور نقاب۔ آدمی دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں اور قدیم ترکی ناچ ناچتے ہیں۔ اس ناچ کو ''زیبک'' کہتے ہیں۔ آدمی ناچتے ہوئے گول چکر لگاتے ہیں اور پاؤں زمیں پر ٹپکتے ہیں۔ تیز خنجر ان کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں اور قازقوں کی طرح وہ رقص کرتے ہیں۔۔ اناطولیہ میں جو اہم ترین قدیم میلہ اب تک باقی ہے وہ کُشتی ہے۔ کُشتی فٹ بال سے بھی بڑ ھ کر ترکی کا قومی کھیل ہے۔ (۱۹)

تہذیبی زندگی کا ایک عنصرمشاہیر ہیں۔ مشاہیر کسی قوم کا سرمایۂ افتخار ہوتے ہیں۔اُردو سفرناموں میں ترکوں کے ایسے مشاہیر کا بھی تذکرہ ملتا ہے جن کو ترک قوم اپنے ہیرو مانتی ہے۔ یہ وہ مشاہیر ہیں جنھوں نے زندگی کے کسی نہ کسی شعبے میں کارہائے نمایاں سر انجام دیے ہیں۔ ایسی شخصیات جن کا ذکر مختلف حوالوں اور جذبات سے سفرناموں میں ملتا ہے اُن میں سیاست دان،قومی شاعر، شعرأ و ادبا، مذہبی سکالر، ماہرینِ تعلیم، کھلاڑی، فن کار(فنونِ لطیفہ سے وابستہ فنکار: موسیقی کار، گلوکار، اداکار،رقاص،خطاط، مصوّر وغیرہ) شامل ہیں۔

سفرناموں میں زیادہ تر جن ترک مشاہیر کے نام ملتے ہیں اُن میں مولانا جلال الدین رومی، شمس تبریز، سلطان احمت فاتح، اور مصطفیٰ کمال اتاترک خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان مولانا رومی کاذکر یوں کرتے ہیں:

> ''مولانا کا مزار ساری دنیا کے سیاحوں خاص طور پر مسلمانوں کے لیے مرجع خلائق ہے۔ ترک عوام بھی اسے دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ اس شہر کو مولوی یا مولانا کے نام سے بطور محبت و اپنائیت پکارتے ہیں۔ ترکی میں مولوی کا مطلب ہی قونیہ اور مولانا روم ہے۔''(۲۰)

حسنین نازش مولانا جلال الدین رومی کے مزار پر ترکوں کے اعتقاداور عقیدت کا ذکر کچھ اس انداز سے کرتا ہے۔

> ''مبطخ کے عین سامنے ایک چشمہ بھی ہے، جسے سلسبیل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسے یعوذ سلطان سلیم نے ۱۵۱۲ء میں تعمیر کروایا تھا لو گ سلسبیل کا پانی پی رہے تھے۔ اس کے پانی کو آبِ شفا کے طورپر استعمال کر رہے تھے۔''(۲۱)

اسی سلسبیل کا ذکر سیّد اختر جعفری نے اپنے طور پر یوں کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> ''سبیل کیا تھی ایک دس فٹ اُونچے اور چار فٹ چوڑے پتھر پر نو پیالے چسپاں کیے ہوئے تھے۔ سب سے اُوپر ایک پیالہ پھر ذرا نیچے دو پیالے۔ ان کے نیچے تین پیالے۔ آخر میں سب سے نیچے ایک بڑا پیالہ تھا۔ ہر پیالے کا پانی نیچے کے دو پیالوں میں گرتا پھر ان سے نیچے پیالے میں گرتا تھا۔ یوں پانی ایک خاص قسم کے فوارے کی شکل اختیار کر لیتاتھا۔''(۲۲)

بخوفِ طوالت مذکورہ اقتباسات پر اکتفا کافی ہے۔ جس سے بخوبی انداز ہ ہو سکتا ہے کہ ترکی کی تاریخی اور تہذیبی زندگی اُردو سفرناموں سے اخذ کی جا سکتی ہے۔ ان سفرناموں کی مدد سے قدیم اور جدید ترکی تہذیب و تمدّن، تاریخ، سیاست اور معاشرت کی ایک مستند دستاویز مرتب ہوسکتی ہے۔

جیسا کہ شروع میں کہا گیا کہ ترک پاکستانیوں سے حددرجہ محبت رکھتے ہیں۔ ترکی نے پاکستان کی ہر مشکل گھڑی میں ہر ممکن مدد کی ہے۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ۲۰۰۵ء کا زلزلہ،۲۰۱۰ء کا سیلاب اور حالیہ کورونا وائرس کی وباء میں ترکی کی امداد کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اسی طرح ترکی سے پاکستانیوں کی محبت اور تعلق کی وجہ خلافتِ عثمانیہ اور وہاں پر موجود مقدس مقامات ہیں۔

پاکستان اور ترکی کے درمیان اخوّت اور بھائی چارے کا رشتہ شروع ہی سے قائم ہے۔ اس رشتے میں آئے دن مضبوطی اور گہرائی پیدا ہو رہی ہے۔ دونوں ممالک کے عوام ایک دوسرے کی حددرجہ عزت اور اختارم کرتے ہیں۔ اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ سفرنامہ نگاروں نے اپنے سفر کے دوران ترکوں کے اندر پاکستان اور پاکستانی عوام کے لیے جن جذبات کا اظہار دیکھا ہے وہ اُنھوں نے اپنے سفرناموں میں بیان کیا ہے۔ باہمی محبت، ایثار اورخلوص کے

عناصر آسانی سے ان سفرناموں میں مل جاتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مستقبل میں دونوں ممالک میں مزید قریب آنے کے امکانات کیا ہیں؟ دونوں ممالک کس قسم کی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں اور ان مسائل کا حل کیا ہے؟

اُردو سفرناموں میں ترکوں کی پاکستانی بھائیوں سے محبت ہر سفرنامہ نگار کے ہاں ملتی ہے۔ لہٰذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ سفرنامے دونوں ممالک کے درمیان مزید گہرے دوستانہ تعلقات استوار کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید،ڈاکٹر، **اردو ادب میں سفرنامہ**،لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی ،۱۹۸۷ء، ص۵۲
۲۔ حافظ محمد سہیل شفیق، ڈاکٹر، (ترتیب و حواشی)؛ **مکتوبِ ترکی** از ڈاکٹر نثار احمداسرار، کراچی: قرطاس، ۲۰۱۶ء، ص۱۱
۳۔ فرخ سہیل گوئندی، ’’جنگِ گیلی پولی سے جدید جمہوریہ ترکیہ تک‘‘، مشمولہ؛**سلطنتِ عثمانیہ سے جمہوریہ ترکیہ**،از ضمیر احمد ہاشمی، لاہور: جمہوری پبلی کیشنز ، ۲۰۱۵ء، ص۴
۴۔ ضمیر احمد ہاشمی، "دیباچہ"،**سلطنتِ عثمانیہ سے جمہوریہ ترکیہ**، از ضمیر احمد ہاشمی، ایضاً، ص۹
۵۔ ادرنہ، **آزاد دائرہ المعارف ویکیپیڈیا**، مورخہ: ۲۲ فروری۲۰۱۹ء، وقت:۲۴:۱۲ شب
۶۔ علامہ اقبال،"بانگ درا"مشمولہ؛ **کلیاتِ اقبال**(اردو) ، لاہور : عبد اللہ اکیڈمی ، ۲۰۰۹ء، ص۲۶۷
۷۔ فرح سہل گوئندی، **ترکی ہی ترکی**،لاہور: جمہوری پبلی کیشنز ، ۲۰۱۷ء، ص ۶۱
۸۔ سلیمیہ مسجد، ادَرنہ، **آزاد دائرۃ المعار ف،و یکپیڈیا**، مورخہ:۲۳، فروری۲۰۱۹ء، وقت: ۵۷:۱۱ شب
۹۔ نثار احمد اسرار، **مکتوبِ ترکی**،ص، ۷۷-۷۸
۱۰۔ فرخ سہیل گوئندی، **ترکی ہی ترکی**، ص۲۷، ۲۸، ۴۹
۱۱۔ حکم محمد سعید، **سعید سیاح ترکی میں**،کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن، ۱۹۹۲ء، ص۱۳۳
۱۲۔ فرخ سہیل گوئندی، **ترکی ہی ترکی**، ص ۴۹
۱۳۔ ایضاً، ص ۴۹
۱۴۔ حکیم محمد سعید، **سعید سیاح ترکی میں**، ص۱۲۸
۱۵۔ شبلی نعمانی، **سفرنامہ: روم و مصر و شام**، لاہور : ملک فضل الدین تاجران کتب ، ۱۹۸۲ء، ص۱۹
۱۶۔ سید اختر جعفری،**سیاحوں کی جنت ترکی**،لاہور: علم و عرفان پبلشرز،۲۰۱۱ء، ص۲۲۱- ۲۲۲
۱۷۔ سیّد اختر جعفری ،**سیاحوں کی جنت ترکی**، ص، ۱۲۶
۱۸۔ حسنین نازش، **قاردش**، راولپنڈی: خیام پبلی کیشنز ،۲۰۱۳ء، ص۱۱۲
۱۹۔ ولیم سنپیر،مترجم؛ غلام رسول مہر، **ترکی۔ سرزمین اور باشندے**، لاہور: شیخ غلا م علی اینڈ سنز، ۱۹۶۳ء، ص ۱۲۱، ۱۳۷- ۱۳۸
۲۰۔ ظہور احمد اعوان، **ابن بطوطہ کے خطوط**،لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص۳۷۲
۲۱۔ حسنین نازش،**قاردش**، ص ۱۳۱
۲۲۔ سیّد اختر جعفری،**سیاحوں کی جنت ترکی**، ص ۱۶۸-۱۶۹